# نہج البلاغہ

## اسلامی فلسفہ و عرفان کا سرچشمہ

از: رضا عباس۔ علیگڑھ

مستشرقین کا ہمیشہ سے یہ رویہ رہا ہے کہ انہوں نے اسلامی فلسفے اور عرفانی افکار کے ماخذ دوسرے مذاہب اور مکاتب فکر میں تلاش کئے۔ اگر ہم اسلامی فلسفے کی کسی بھی مغربی تاریخ کا مطالعہ کریں تو عموماً پہلا باب اسلامی فکر کے غیر اسلامی ماخذوں کی بحثوں پر مشتمل ملے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی افکار اور فلسفے کی جڑیں اسلام کے اندر ہی ڈھونڈنے کی سنجیدہ کوشش ابھی تک عمل میں نہیں آئی ہے۔ فلسفہ اور عرفان کے اولین اسلامی ماخذ قرآن کو ان مغربی علماء نے صرف عمل اور جہاد کے لائحہ عمل سے تعبیر کیا۔ ان علمائے کرام کی نظر میں عربوں کا مزاج کسی بھی سنجیدہ فکری اور استدلالی بحث کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

فہم قرآن کے سلسلے میں ان لوگوں کی چشم بصیرت پر تعصب کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور انہیں قرآنی طرز استدلال اور عرفانی افکار میں کوئی نئی بات نظر نہیں آئی مزید برآں انہوں نے قرآنی دلائل اور ان کے نتیجوں کو بچکانہ اور کم اہمیت گردانا۔ ان کا ذہن وحی الٰہی کے اس معجزانہ طرز تکلم کا فہم پیدا نہ کر سکا جس کی وجہ سے یہ کتاب کسی طبقہ یا گروہ کے لئے محدود نہ ہو کر زمان و مکان کی قید سے آزاد ایک آفاقی صحیفۂ ہدایت قرار پائی۔

فی الحقیقت، اسلامی سماج میں غیر اسلامی افکار کی شروعات تب ہوئی جب عباسی حکومت نے اہلبیت رسول سے اپنی عداوت اور بعض سیاسی مصالح کی بنا پر یونانی آئمہ فکر ارسطو، سقراط، اور افلاطون، کے فلسفے کا عربی زبان میں ترجمہ کروا کر اسلامی سلطنت کے گوشہ و کنار میں انکا اشتہار کیا۔ یونانی فلسفہ

کی اسلامی معاشرے میں در آمد کے پیچھے عباسی حکومت کا اہم ترین مقصد یہ تھا کہ کسی طرح علماء اور عوام الناس کو حکومتی معاملوں سے الگ کر کے منطق، اور فلسفے کے غیر ضروری مباحث میں الجھادیا جائے، تاکہ بادشاہ وقت امت مسلمہ کے واجب حقوق کو پامال کرتے ہوئے اپنے عیش ونوش کو جاری رکھ سکے۔

قرآنی تعلیمات پر مبنی فلسفیانہ افکار کو رد کر کے یونانی فلسفہ باہر سے منگانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قرآنی فلسفہ وفکر کے ہر نتیجے سے عمل اور اصلاح کا ایک پہلو نکلتا تھا، سماجی ذاتی اور سیاسی زندگی میں معاشرے کی ہدایت کے اصول مرتب ہوتے تھے، جنکی ان مدعیان خلافت کو کوئی ضرورت نہ تھی، انہیں ایسے فلسفیانہ افکار درکار تھے جو علمی قدر وقیمت کے حامل تو ہوں لیکن عملی زندگی سے ان کا کوئی سروکار نہ ہو۔ گویا یہ فلسفیانہ بحثیں حکومت کی طرف سے دی گئی ایسی افیون تھی جس کے نشے میں دُھت ہو کر اکثر علماء نے سیاسی، اور معاشرتی امور میں سماج کی رہنمائی کے عظیم کام سیعلحدگی اختیار کرلی۔

حکومت وقت نے آئمہ طاہرینؑ خصوصاً امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے حکیمانہ ،مصلحانہ اور معرفت انگیز کلام اور خطابت کو اس لائق نہ سمجھا کہ ان کی اسلامی معاشرے میں ترویج کی جائے اور عوام الناس ان سے استفادہ کر سکیں۔ جبکہ حضرت ختمی مرتبتؐ کی وفات کے بعد سے ہی لوگوں کا یہ شعار بن گیا تھا کہ امیر المومنین کے اقوال اور نصائح کو نہایت توجہ سے سنتے اور اسے ذہنوں کے صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر لیتے تھے۔ چنانچہ معتبر تاریخی حوالوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان کے دور میں سیکڑوں افراد ایسے موجود تھے جنہیں امیر المومنین کے کلام اور خطبات کا ایک بڑا حصہ زبانی یاد تھا۔ پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں قرآن کے بعد جو عربی نثر ملتی ہے وہ امیر المومنین حضرت علیؑ کی ہے۔ یہ نثر خطابت اور رسائل کی شکل میں نہج البلاغہ کی تدوین سے کئی سو سال پہلے کی سنی اور شیعی کتابوں میں بکھری ہوئی ملتی ہے۔ علماء اور محدثین اور عربی ادب کے ماہرین ان سے واقف تھے۔ سید رضی نے چوتھی صدی ہجری میں کلام امیر المومنین کو نہج البلاغہ کے نام سے جمع کیا۔ یہ کتاب اپنے گوناگوں موضوعات اور ان کی گہرائی اور گیرائی کے معاملے میں معجزات کے حدود کو چھوتی ہے۔ بلاشبہ امیر المومنین کے افکار اور نظریات نے وہ بنیاد فراہم کی جس کے اوپر اسلامی فلسفے اور عرفان کی وہ بلند اور عالیشان عمارت کھڑی ہو سکی جس پر آج ہر مسلمان فخر کرتا ہے۔ مابعد الطبیعات اور الٰہیاتی فکر کو

امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے جس نہج پر ڈالا تھا اسی پر چل کر وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے عرفانی اور متصوفانہ نظریات کی تشکیل ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ عصری تقاضوں کی تکمیل کی خاطر ان نظریات کی تفصیل میں یونانی اور اشراقی فلسفے کی مصطلحات داخل ہو گئیں، یہ بات بلا سبب نہیں ہے کہ نقشبندی سلسلہ کو چھوڑ کر اسلامی تصوف کے تمام سلسلے اپنا آغاز علیؑ مرتضیٰ سے کرتے ہیں۔

یہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی کی آواز ہے کہ دین کا نقطۂ آغاز خدائے وحدہ لاشریک کی معرفت ہے۔ یہ جملہ ان تمام لوگوں کے ذہنوں کو جھنجوڑ دینے کے لئے کافی ہے جو دین کی اساس شریعت کے اصولوں میں، رسوم و روایات میں، یا کسی مبہم عقیدے میں تلاش کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے بیان میں اس اصل اصول پر زور دیا ہے کہ دین کی اساس معرفت الٰہی میں مضمر ہے، جب تک کسی قلب میں خدا کی معرفت جلوہ گر نہیں ہو گی دین کی حقیقت اور اس میں چھپی ہوئی حکمتیں اس پر واضح نہیں ہو سکتیں۔ معرفت رب وہ مضبوط لنگر ہے جو مومنین کے قلوب کو گردش زمانہ کی طوفانی لہروں میں بھی ایمان و یقین پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ اسی خطبے میں معرفت کی بنیادی حیثیت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس کے ضروری ارکان و شرائط بیان فرمائے ہیں اور عموماً انسان جن ناقص مراتب ادراک کو اپنی منزل آخر بنا کر قانع ہو جاتے ہیں، ان کے ناکافی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ خصوصاً اس جملے میں کہ "کمال توحید اخلاص ہے اور کمال اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے، کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے، اور ہر موصوف شاہد کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے"[۲] یعنی توحید باری تعالیٰ میں ذات اور صفات کی دوئی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی ذات جوہر طول و عرض کا مجموعہ نہیں کہ اس میں صفتیں اس طرح قائم ہوں جس طرح پھول میں خوشبو اور ستاروں میں چمک بلکہ اس کی ذات خود صفتوں کا سرچشمہ ہے اور وہ اپنے کمالات ذاتی کے اظہار کے لئے کسی توسط کی محتاج نہیں ہے۔ صفات الٰہی اس کی عین ذات ہے، یعنی جو ذات ہے وہی صفت ہے اور جو صفت ہے وہی ذات ہے۔ عرفان کی جانب امیر المومنین کے طبعی رجحان کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ نہج البلاغہ میں منقول خطابت میں اکثر مقامات پر آپ کے کلام کی شروعات عرفانی مباحث سے ہوئی ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو "تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی ایک صفت سے دوسری کو

تقدیم نہیں کہ وہ آخر ہونے سے پہلے اول اور باطن ہونے سے قبل ظاہر ہو، اللہ کے علاوہ جسے بھی ایک کہا جائیگا، وہ قلت اور کمی (کے معنی) میں ہوگا" ۳ یا دوسرے مقام پر فرمایا "تمام حمد اس اللہ کے لئے جو چھپی ہوئی چیزوں کی گہرائی میں اترا ہوا ہے، اس کے ظاہر و ھویدا ہونے کی نشانیاں اس کے وجود کا پتہ دیتی ہیں، گو دیکھنے والے کی آنکھ سے وہ نظر نہیں آتا پھر بھی نہ دیکھنے والی آنکھ اس کا انکار نہیں کر سکتی، اور جس نے اس کا اقرار کیا اس کا دل اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ وہ اتنا بلند و برتر ہے کہ کوئی چیز اس سے بلند تر نہیں ہو سکتی اور اتنا قریب ہے کہ کوئی شئے اس سے زیادہ قریب نہیں ہے .... وہ ذات ایسی ہے کہ جس کے نشانات اس طرح اس کی شہادت دیتے ہیں کہ انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ ان لوگوں کی باتوں سے بہت بلند و برتر ہے جو مخلوقات سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں" ۴

عرفان اور فلسفہ کے میدانوں میں ہم نہج البلاغہ کو اتنا آگے پاتے ہیں کہ اس کا مقابلہ دوسری کتابوں سے کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس میدان میں امیر المومنین سے پہلے اور نہ آپ کے بعد کوئی آپ کی برابری نہیں کر سکا ہے۔ مابعد الطبیعیات اور الٰہی فلسفے کے بیان میں آپ ایسے مقام تک پہنچ گئے ہیں جس کے آگے بڑھنا تو درکنار اس تک رسائی حاصل کرنا بھی اب تک ممکن نہ ہو سکا۔ ذات و صفات الٰہی کے تمام پہلوؤں، مثلاً خدا کی ذات کا ازلی و ابدی ہونا، اس کی وحدانیت کا عددی نہ ہونا۔ اس کا اول و آخر، ظاہر و باطن ہونا، نیز اس کا قادر مطلق اور خالق مطلق ہونا وغیرہ کا اس طرح احاطہ کیا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے اسلامی یا غیر اسلامی ماخذ میں ہرگز نہیں ملتی چنانچہ اپنے دوسرے خطبے میں وہ ارشاد فرماتے ہیں "حمد اس خدا کی ہے جس کی ذات کی دلیل کائنات ہے اور اس کی مخلوقات کا حادث ہونا اس کی ازلیت کی دلیل ہے، اور اس کی مخلوق کا ایک دوسرے کے مانند ہونا اس کے بے مانند ہونے کی دلیل ہے۔ وہ حواس خمسہ سے پوشیدہ ہے اور حواس کے ہاتھ اس کے دامن کبریائی تک نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اسکے باوجود وہ ظاہر ہے اور کوئی چیز اس کے وجود کو چھپا نہیں سکتی" ۵

ایک چھوٹے سے مقالے میں نہج البلاغہ کے کسی ایک پہلو کا احاطہ بھی ناممکن ہے، خاص طور پر عرفانی اور الٰہیاتی پہلو جو کہ امیر المومنین کے پسندیدہ ترین موضوعات میں سے ایک ہے، اس

پہلو پر سیر حاصل بحث کرنے کے لئے یقیناً دفتر کے دفتر درکار ہوں گے۔ یہاں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ خطبات میں فکری اور عرفانی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے بلکہ عوام الناس کو بھی اس جانب رغبت دلائی ہے۔ نہج البلاغہ میں ایسے اقوال کی کمی نہیں ہے جن میں آپ نے لوگوں کو تفکر، تعقل اور تفقہ کی جانب دعوت دی ہے۔ آپ نے عقل ودانش کو اسلام کا ایک مضبوط ستون قرار دیا ہے ارشاد فرماتے ہیں "خدا رحمت کرے اس شخص پر جو فکر سے کام لیتا ہے اور عبرت حاصل کر کے بینا ہوتا ہے۔"[۶] بصیر و بینا وہ شخص ہے جو سنتا ہے اور فکر کرتا ہے، دیکھتا ہے اور عبرت حاصل کرتا ہے اور عبرت سے نفع اٹھاتا ہے۔"[۷]

"کہاں ہیں وہ عقلیں جو چراغ علم وہدایت سے روشن ہیں، وہ آنکھیں جن میں تقویٰ وپرہیزگاری چمکتی ہے"

وہ شئے جو نہج البلاغہ اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے فلسفے اور افکار کو دوسرے فلسفیانہ افکار سے الگ کرتی ہے وہ عقل اور تزکیۂ قلب کا ایک خاص امتزاج اور ان کی باہمی ہم آہنگی ہے۔ امیر المومنین کے مطابق عقلی اور ذہنی موشگافیاں اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتیں جب تک ان کے ساتھ تزکیۂ نفس اور تزکیہ قلب کا شوق بھی شامل نہ ہو۔ جو فلسفہ ذہن سے شروع ہو کر اس کی پر پیچ راہوں میں گھٹ کر دم توڑ دے، تو ایسا فلسفہ کسی مفکر کے لئے ذہنی غذا کا کام تو کر سکتا ہے، لیکن سماج میں کسی اصلاح کا بیڑا نہیں اٹھا سکتا۔ یونانی فلسفے کی یہی وہ خاصیت تھی جس کی وجہ سے اسے بیرون ملک سے منگا کر اسلامی سماج میں رائج کیا گیا۔ امیر المومنین نہج البلاغہ کی روشنی میں اس نظریہ کے مخالف نظر آتے ہیں۔ آپ کے نزدیک فلسفہ وعرفان بذات خود کوئی گراں قدر وقیمت نہیں رکھتے تاوقتیکہ ان کے ذریعے کسی عملی اور اصلاحی نتیجے پر نہ پہنچا جائے۔ چونکہ آپ کی فکر وحی الٰہی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، لہٰذا آپ کے ارشادات تمام مقامات پر آیات قرآن کی تفسیر کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن میں جہاں جہاں لفظ 'آمنوا' استعمال ہوئی ہے فوراً اس کے پیچھے "عملوا الصالحات" کی تکرار نظر آتی ہے، یہی فکر ہمیں امیر المومنین کے خطبات اور ارشادات کے ذریعہ نہج البلاغہ میں نظر آتی ہے، چنانچہ ایک مقام پر اسلام کی تعریف آپ نے اس انداز میں کی: 'اسلام کے معنی سر تسلیم خم کرنا ہے اور سر تسلیم

جھکانا یقین ہے اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق اعتراف ہے، اور اعتراف فرض کی بجا آوری ہے، اور فرض کی بجا آوری عمل ہے"۸

ہمارے آئمہ طاہرین خصوصاً امیر المومنین حضرت علیؑ نے ہمیشہ اپنی نشستوں میں اپنے صحابہ کے درمیان الٰہیاتی، فلسفیانہ اور عرفانی مباحث کا تجزیہ کر کے ان کی حقیقتوں کو انکے سامنے واضح فرمایا۔ یہاںتک کہ ہمارے آئمہ کی یہ سنت اہل تشیع کے درمیان رواج پاگئی اور پیروان تشیع، اسلام کے دیگر فرقوں کی بہ نسبت فلسفے اور عرفان کی جانب زیادہ مائل ہوتے چلے گئے۔ جس کے نتیجے میں بعد میں شیعوں پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں تاویلیں کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن خود تفکر اور تفلسف کی جانب لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ اہل تشیع اور دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان یہ فرق اتنا واضح تھا کہ مورخین کو لکھنا پڑا کہ کہ فلسفے اور عرفان کی جانب شیعوں کا جھکاؤ صدر اسلام سے ہی دوسروں کے مقابلے زیادہ رہا ہے۔ دراصل ہمارا ان علوم کی جانب جھکاؤ ہمارے آئمہ کا پیدا کیا ہوا ہے جو علوم اسلامی کے اصل خزینہ دار تھے اور جنہوں نے اپنے خطبات، تقاریر، اور دعاؤں کے ذریعے ہمیں ان کی تعلیم دی۔ یہ ہمارے آئمہ کا ہی فیضان علم تھا کہ ہمیشہ تعداد کے اعتبار سے اقلیت میں رہتے ہوئے بھی فرقۂ تشیع کا اسلامی علوم کی ترقی اور ترویج میں دوسروں سے کہیں زیادہ حصہ رہا۔

مگر تاریخ کا اس سے بڑا علمیہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو فرقہ اپنے آپ کو امیر المومنین اور آئمہ اطہار کا حقیقی پیرو مانتا ہو، آج اس کی حالت ایک پسماندہ اور توھم پرست قوم کی ہو گئی ہے، آج ہم نے اپنے دین کو اوھام اور بے معنی مراسم کی آماجگاہ بنالیا ہے۔ وہ علم جو سرور کائنات کے بعد آئمہ اطہار کے سینہ بہ سینہ ہمارے علماء تک پہنچا، آج ان علوم کے آثار مٹ رہے ہیں اور ہم ایک قوم کی حیثیت سے علم، تحقیق اور عقل سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زندگی کے ہر پہلو میں پسماندگی نمایاں ہو رہی ہے۔ اس پوری صورت حال میں نہج البلاغہ ایک مظلوم کتاب بن کر رہ گئی ہے جس کے مضامین پر غور کرنا تو درکنار ہم اسے پڑھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرنا چاہتے۔ جبکہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں ہم نہج البلاغہ کے ذریعے اسلامی طرز تفکر اور اسلامی نظام حیات کو دنیا کے سامنے پیش کریں، نیز اس کا تحقیقی مطالعہ کر کے اسلامی علوم و حکمت کے نئے ابواب کھولیں،

جب تک ہم اپنی ان پرانی علمی روایات کی جانب رجوع نہیں کریں گے ہمارے مسائل اسی طرح بڑھتے رہیں گے۔

**حوالے:**


۱۔ اول الدین معرفۃ، نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱
۲۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱
۳۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۶۳
۴۔ نہج البلاغہ خطبہ، نمبر ۴۹
۵۔ نہج البلاغہ خطبہ، نمبر ۱۵۰
۶۔ نہج البلاغہ خطبہ، نمبر ۱۰۳
۷۔ نہج البلاغہ خطبہ، کلمات قصار ۱۲۵
۸۔ نہج البلاغہ کلمات قصار ۱۲۵


☆☆☆☆☆☆

# معراج رسول

کوثر نیازی

جب بھی ذکر علی چھڑ گیا دیکھئے
کفر کا زرد چہرہ ہوا دیکھئے

لیکے محبوب حق کو امیں چل پڑے
جانب صدرۃ المنتہیٰ دیکھئے

دو کماں کا فقط فاصلہ رہ گیا
کتنا نزدیک محبوب تھا دیکھئے

طالب جلوہ موسیٰ گئے طور پر
رب کے مہمان ہیں مصطفیٰ دیکھئے

اُدن منی تھا یا لہجہ مرتضیٰ
سن کے چونکے جسے مصطفیٰ دیکھئے

اسکو معراج کہئے گا یا معجزہ
سچ تو ہے وقت خود رک گیا دیکھئے

دور ہر رجس ان سے ہے حق نے کہا
آپ پڑھ کر حدیث کساء دیکھئے

آپ اپنے سبھی بھول جائیں گے غم
سوچ کر واقعہ کربلا دیکھئے

اب تو کوثر کو بھی بولنا آگیا
ان کی مدحت کا ادنیٰ صلہ دیکھئے

☆☆☆☆☆